© rasailojaraid.com

رہائش تھی۔

مرحوم ومغفور مولانا سید محمد بدر عالم صاحب میرٹھی، کو اپنی علمی عظمتوں کے ساتھ رُوحانی سلسلہ سے بھی بڑا لگاؤ تھا اور اُنھوں نے دادا جان مرحوم کے ہاتھ پر بیعت کر کے سلوک و روحانیت کے منازل طے کئے تھے۔

حضرت علامہ کشمیریؒ کی وفات کے بعد جب اُن کے علوم ومراتب کے وارثین ڈابھیل سے منتشر ہونے لگے، مولانا شبیر احمد عثمانیؒ دیوبند واپس آ گئے، مفتی عتیق الرحمٰن صاحبؒ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کلکتہ چلے گئے تو مولانا بدر عالم صاحب نے دہلی آکر اپنے مُرشد (دادا جان) سے کسب صحبت وسعادت کو زیادہ بہتر سمجھا اور دہلی آ گئے۔ اِن دنوں وہ جامع صحیح البخاری پر حضرت شاہ صاحبؒ کے تراجم وتشریحات کو جمع کر کے فیض الباری کی تدوین میں مشغول تھے۔

اُن کا یہی مبارک منصوبہ بعد میں ترقی اور وسعت پاکر اردو زبان میں انوارِ وحی احادیث مقدسہ کا ایک بے مثال اور بیش بہا مخزن بن کر "ترجمان السنۃ" کے نام سے ضخیم جلدوں میں ندوۃ المصنفین دہلی سے شائع ہو کر مقبولِ خاص وعام ہوا۔ یہی مولانا مرحوم کی عمر بھر کی محنت کا ثمرہ قدسیہ تھا اور اُمت کے لئے عشقِ رسول کے عطر میں ڈوبا ہوا سدا بہار تحفہ۔

دادا جان مرحوم ومغفور کی رہائش گاہ پر ان دنوں علماء و مشائخ کی آمد ورفت بہت تھی۔ دیوبند اور میرٹھ کے اربابِ علم وفضل آئے دن دادا جان کے پاس حاضری دیتے تھے اور اُن کی بزرگانہ شفقت ومحبت سے فیض پاتے تھے۔

وقت گذرتا گیا اور کچھ ہی عرصہ بعد مفتی عتیق الرحمٰن صاحب اور مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب بھی ندوۃ المصنفین کا منصوبہ لے کر دہلی آ گئے۔ اور اپنے رفیق محترم مولانا بدر عالم صاحب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو بھی ندوۃ المصنفین میں ساتھ لے کر ندوۃ کے کام کی بسم اللہ کی۔

یہ زمانہ ہندوستان کی سیاست میں انتہائی تلاطم و جوش و جذبات کا تھا۔ ہندوستان کی آزادی اور تقسیم کے نعرے فضاؤں میں گونج رہے تھے۔ مجاہدِ ملت کا زیادہ وقت سیاسی دلچسپیوں اور سرگرمیوں میں گذرتا تھا پھر بھی ندوۃ المصنفین کی ذمہ داریوں کو وہ بہر صورت نباہنے کی کوشش کرتے تھے۔ پھر برسوں یہ سلسلہ رہا کہ دن بھر یہ حضرات ندوۃ المصنفین کا کام کر کے شام کے وقت تلفنِ طبع اور ہوا خوری کے لئے قرول باغ سے پیدل چل کر داداجان کے ہاں آجاتے سو ہاں چائے کی محفل جمتی اور پھر اہم علمی موضوعات اور وقتی مسائل پر بے تکلف گفتگوؤں کا سلسلہ غسار کے بعد تک قائم رہتا۔

اِن روزینہ مجلسوں میں مفتی صاحب کی شگفتہ بیانی اور مولانا سید بدرِ عالم صاحب کی نکتہ سنجیاں باغ و بہار کا سماں باندھ دیتی تھیں۔ مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی بھی اکثر شریک رہتے تھے۔ اُردو کے مقبول و مشہور شاعر بہزاد لکھنوی بھی اُن دنوں دہلی آگئے تھے اور اکثر ان بزرگوں کی مجلسِ علمیہ میں شریک ہوا کرتے تھے۔ پھر فرمائشی طور پر وہ اپنی کوئی غزل یا نعت جب اپنے مخصوص والہانہ بلکہ مجذوبانہ انداز میں پڑھتے تھے تو پوری محفل پر ایک وجد طاری ہو جاتا تھا۔

برادرم مولانا سید انیس الحسن صاحب جو اُن دنوں اپنے علوم دینیہ و درسیہ کی تکمیل کے درجے میں تھے اور قریب ہی رہائش رکھتے تھے، بصد ذوق و شوق ان محفلوں میں شریک ہوا کرتے۔ انھیں خاص طور پر مفتی صاحبؒ کی اور مولانا سید بدرِ عالمؒ کی علمی گفتگوؤں اور تفسیر و حدیث کے موضوعات پر اُن کی جواہر ریزی سے بڑا اُنس تھا۔ کبھی کبھی مولانا فقیہہ الدین صاحب بھی اُن کے ساتھ ہوتے تھے۔ داداجانؒ ہم سب کو عمروں سے نہ صرف شفقت و کرم کا معاملہ کرتے بلکہ بڑی پابندی اور اہتمام کے ساتھ ہر دفعہ کچھ نہ کچھ مٹھائیاں ضرور کھلاتے (جو اُن کی الماری میں ہمیشہ ہی رہتی تھیں) جن کی حلاوت و لذت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آج تک کام و دہن کو یاد ہے، ۱۳۶۶ھ میں دادا جان کے وصال کے ساتھ ان بابرکت وبا سعادت مجلسوں کا سلسلہ بھی ختم ہو گیا۔ اور پھر تھوڑے ہی دن بعد وطن کی آزادی اور تقسیم نے وہ قیامتیں برپا کیں کہ یہ تمام شیرازہ ہی بکھر گیا، مولانا بدرِ عالم ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ ترجمان السنّہ کی تدوین دیارِ حبیب ہی میں فرمائی اور پھر آخری سانس تک زندگی مدینۃ الرسول کی مقدس و معطّر فضاؤں میں ہی گذار دی، اِدھر ندوۃ المصنفین تباہ و برباد ہوا، مفتی صاحب مقامی پناہ گزیں بن کر جامع مسجد کے قریب ایک مکان میں منتقل ہو گئے۔

مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کو ہنگامی مسائل اور مظلوموں کے بے اندازہ مصائب و مشکلات نے ایسا گھیر اکہ انھیں پھر قلم سنبھالنے کی مہلت ہی نہ مل سکی۔ مولانا حامد الله انصاری غازی بمبئی اور مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی مدرسہ عالیہ کے پرنسپل بن کر کلکتہ چلے گئے۔ گردشِ دوراں کو پھر ایسی منوّر و مقدس محفلیں دیکھنی نصیب ہی نہ ہوئیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت مفتی صاحب مرحوم

ایک مختصر خراجِ عقیدت

(از پروفیسر طاہر محمود شعبۂ قانون، دہلی یونیورسٹی)

کم لوگ اس بات سے واقف ہوں گے کہ میں اُن خوش قسمت گنہ گار و دنیادار لوگوں میں ہوں جنھیں دینی علم و عمل کے اُس کوہِ عظیم مرحوم و مغفور حضرت مفتی عتیق الرحمن صاحب سے قُرب حاصل تھا، باوجود اس کے کہ میں عمر میں اُن کے سامنے طفلِ مکتب' اور علم میں اُن کے قدموں کی دُھول بھی نہیں تھا۔ جو پدرانہ شفقت، بزرگانہ مہر و محبت اور قدم قدم پر انمول ہدایات و نصیحت مجھے برسوں تک مرحوم سے ملتی رہی اُن کا میرے کردار و خیالات کی تعمیر میں ایک قابلِ ذکر حصّہ ہے۔

میں بہ سلسلۂ ملازمت اب سے بیس سال قبل ۱۹۶۷ء میں علی گڑھ سے دہلی منتقل ہوا تھا۔ اسی سال کے اواخر میں مجھے فتحپوری مسلم اسکول کی مجلسِ عاملہ کی رکنیت پیش ہوئی۔ مفتی صاحب مرحوم ان دنوں اس ادارہ کے ناظمِ اعلیٰ تھے۔ یہ حضرت کی خدمت میں میری رسائی کا نقطۂ آغاز تھا۔ اس کے بعد سے حضرت کی تاحیات میں اپنے علمی، تعلیمی، تحقیقی، یہاں تک کہ کبھی کبھی ذاتی مسائل کا حل تلاش کرتے، ان کی خدمتِ بابرکت میں برابر حاضر ہوتا رہا اور آپ نے ہمیشہ انتہائی شفقت کے ساتھ میری دستگیری فرمائی۔

ستمبر ۱۹۶۹ء میں جب بہ سلسلۂ تعلیم میں لندن کے لئے روانہ ہو رہا تھا تو مفتی صاحب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بہ کمال شفقت خود پہلی بار میرے غریب خانہ پر تشریف لائے تھے۔ انھوں نے اس وقت جو معنی خیز دعائیں میرے لئے فرمائیں۔ انھوں نے کفر و الحاد کی اس دنیا میں میرے لئے نصیحت کا ایک چراغ مستقل روشن رکھا۔ ۱۹۷۱ء میں لندن سے واپسی پر میں جلد ہی حضرت والا کی خدمت میں پھر حاضر ہوا۔ ہندوستان میں مسلم پرسنل لا کے سلسلہ میں حکومت کے دائرہ اختیار کی تاریخ اور اس کی دستوری حیثیت پر اپنے تحقیقی کام میں مجھے مفتی صاحب سے تبادلۂ خیال کے کثیر مواقع ملے، آئندہ سال ۱۹۷۲ء میں دارالعلوم دیوبند میں قاری طیب صاحب مرحوم و مغفور کے ایما پر ایک کل ہند کانفرنس مسلم پرسنل لا پر منعقد ہوئی جس میں شرکت کا شرف مجھے بھی عطا ہوا۔ دیوبند کے اجلاس میں میری طویل تقریر کا متن بعد میں مفتی صاحب کی خدمت میں خود موصوف کے حکم پر پیش کیا گیا۔ ان کے فرمودات کی روشنی میں اس پر نظر ثانی کی گئی جس کے بعد وہ تقریر پروفیسر مجیب مرحوم کے تعارفی کلمات کے ساتھ جامعہ ملیہ اسلامیہ کے ذاکر حسین انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز کی طرف سے "مسلم پرسنل لا کے تحفظ کا مسئلہ" کے عنوان سے کتابی صورت میں شائع ہوئی۔

نومبر ۱۹۷۳ء میں ایک دن جب میں حضرت کو اپنی شادی کی تاریخ طے ہونے کی اطلاع دینے اور دعائیں لینے کے لئے حاضر خدمت ہوا تو آپ نے اظہار مسرت کے ساتھ بے ساختہ فرمایا کہ "جناب آپ کا نکاح تو میں ہی پڑھوں گا"۔ خاندان کی روایت کے مطابق میرے متعدد بھائیوں میں سے اکثر کا نکاح قبلہ والد صاحب مرحوم و مغفور نے بذات خود پڑھا تھا۔ میں نہ اس روایت سے محروم ہونا چاہتا تھا اور نہ اس سعادت عظمیٰ سے جس کی پیش کش مفتی صاحب نے فرمائی تھی بہر حال اپنے شش و پنج کا حضرت سے اظہار کئے بغیر چلا آیا۔ شادی کی شام کو حضرت تشریف لائے اور تقریب کی انتہائی سادگی اور صحیح اسلامی طریقے کی سخت پابندی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جو میرے والد مرحوم کی شرعی احکام پر شدتِ عمل کی مرہونِ منت تھی، دیکھ کر بے حد خوش ہوئے۔ گنتی کے چند لوگ جو بطور "بارات" کے میرے ساتھ لڑکی والوں کے گھر گئے اُن میں مفتی صاحب بھی شامل تھے۔ ابا جان مرحوم کی اجازت بلکہ اصرار پر حضرت نے ایجاب و قبول کرایا اور خطبۂ نکاح پڑھا۔ آج بھی یہ امر ہم دونوں زن و شو اور بچوں کے لئے باعثِ صد افتخار ہے۔

دو سال بعد دسمبر ۷۵ء میں ابا جان قبلہ نے فریضۂ حج کی ادائیگی کے بعد مکہ معظمہ میں رحلت فرمائی۔ سانحہ کی خبر سنتے ہی مفتی صاحب مولانا سعید احمد اکبر آبادی مرحوم کی معیت میں اپنے دولت کدہ سے میلوں دور واقع میرے غریب خانہ پر تشریف لائے۔ جس انوکھے انداز پر ان بزرگوں نے تعزیت فرمائی، خصوصاً حضرت مفتی صاحب کے کلمات اور توضیحات، وہ آج بھی میرے ذہن کی گہرائیوں میں اس مرہم کی طرح محفوظ ہیں جو والد صاحب مرحوم و مغفور سے جدائی کے غم کو، جو اکثر تازہ ہو کر دل و دماغ کو متاثر کرتا ہے، دور کرنے میں میری جذباتی اور نفسیاتی اعانت کرتے ہیں۔

فقہی مسائل پر حضرت مفتی صاحب کا موقف جس کا اظہار بارہا فرمایا گیا، یہ تھا کہ ہندوستان کے مسلم معاشرہ میں بہت سی خرابیاں آگئی ہیں جن کا سدِ باب ہونا چاہیئے لیکن مسلمانوں کے شخصی قانون کی انفرادیت اور امتیاز کے اس ملک میں تحفظ کی ہر ممکن کوشش کی جانی چاہیئے۔ مرحوم قانون کے معاملہ میں نہ جمود پرست تھے اور نہ مقلد۔ نصوص قطعی کے دائرہ سے باہر ان کے نزدیک غور و خوض اور نظرِ ثانی کی پوری گنجائش تھی۔

اللہ تعالیٰ رب العزت حضرت کی روحِ سعید کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائیں۔ ان کے فرمودات و نصائح کے اثرات میری طرح جانے کتنے اور لوگ آج بھی اپنے خیالات و کردار میں فریاد بکھتے ہوں گے۔ +

© rasailojaraid.com